امن کے فروغ میں ہندو اور مسلم تصوف کا کردار

The Role of Hindu and Muslim Mysticism in the Promotion of Peace

محمد شوکت اقبال[i] ڈاکٹر مشتاق احمد[ii]

Abstract

This article Providies a description about the role of Mysticism (Hindu and Muslim) in the promotion of peace. Mysticism is the English word used in different religion in different names. In Islam the word taṣawuf has been derived from the Arabic word "Ṣūf" wool or from "Ṣafā" means cleanliness. In Hinduism the word bhakti is used for mysticism, which means the intense devotion to personal aspect of diety. Both the Islamic and Hindu mysticism played a vital role in the extension of peace. It was due to the teachings of Hindu and Muslim saints like Ḥaḍrat Dātā Ganj Bakhsh 'Alī Hijwīri, Khawaja Mo'īnuddīin Chishti and Bhagat Kabīr Dās (d.1518 A.D). Taṣawwūf and bhaktī teaches us real love to Allah or brāhma.With the help of real love we can achieve a permanent peace in the world. In the article under reference the issue has been analyzed.

Key words: Protection of Peace, Taṣawuf, Hindu, Muslim

تعارف

عصر حاضر کا شمار سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی یافتہ دور میں ہوتا ہے۔اس دور میں انسان نے زندگی کے ہر شعبے میں خواہ اس کا تعلق زراعت کے شعبے سے ہے یا صحت، تعلیم کے شعبے سے یا صنعت و حرفت سے، الغرض ہر شعبے میں بے پناہ ترقی حاصل کی ہے۔اس دور میں انسان کو زندگی گزارنے کی تقریباً تمام بنیادی سہولیات میسر ہیں۔ جس سے انسان آرام و سکون کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ان تمام تر سہولیات کے ہوتے ہوئے پھر بھی سائنس و ٹیکنالوجی کے دور کا انسان مختلف قسم کے مسائل جیسے مذہبی، لسانی اور نسلی سے دوچار ہے۔ان مسائل سے نہ صرف انسان کا ذہنی اور قلبی توازن مفلوج ہو جاتا ہے، بلکہ انسان کا

i پی ایچ-ڈی ریسرچ سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف پشاور

ii سابقہ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف پشاور

ذہن غلط خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ایسے حالات میں وہ اپنے روزمرہ کے افعال مناسب طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتا ہر وقت بے چین سا رہتا ہے اور معمولی معمولی باتوں پر گھر میں لڑائی جھگڑا شروع کرتا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اس کا اثر اس کے گھر کے ماحول، خاندان اور پھر پورے معاشرے پر پڑتا ہے۔ جس سے گھر، خاندان، ملک اور آخر میں پوری دنیا کا امن وسکون اور خوشحالی کا ماحول خراب ہو جاتا ہے اور بے چینی اور بے اطمینانی کی سی کیفیت جنم لیتی ہے۔ان مسائل کے خاتمے اور پوری دنیا میں خوشحالی، امن وامان اور پیار و محبت کی فضا قائم کرنے کی خاطر پورے عالم کے ماہرین اس کوشش میں مصروف عمل ہیں کہ کہیں سے ان مسائل کا مستقل حل مل سکے۔ لیکن ابھی تک ہزار کوششوں کے باوجود دیرپا امن کا حصول ممکن نہ ہوسکا۔ وقتی طور پر اگرچہ طاقت کے ذریعے سے امن وامان کو قائم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ پیار و محبت سے حاصل کیے ہوئے امن کے مقابلے میں زیادہ دیرپا نہیں ہوتا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں ان مسائل کا حل صرف تصوف میں موجود ہے جس کی بنیاد پیار و محبت، اعلی اخلاق اور خدمت خلق کے اصولوں پر قائم ہے۔ تصوف ہر انسان خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب ہندومت، بدھ مت اور اسلام یا دوسرے ادیان سے کیوں نہ ہو ہر ایک کے لیے نہایت ہی مفید اور اہم ہے۔

ہندومت اور اسلام کے عقائد وافکار، طور طریقے، رسم ورواج، شادی بیاہ وغیرہ میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔اس وجہ سے اکثر دونوں ممالک کے لوگوں کے مابین ماحول کشیدہ رہتا ہے۔ دونوں مذاہب کے صوفیائے کرام نے اپنے تعلیمات کے ذریعے تصبات کو ختم کرنے اور انسان دوستی کا درس دیا ہے۔انھوں نے مذہب سے بالاتر ہو کر محبت کے ساتھ ساتھ امن کا پیغام بھی دیا ہے ۔ انھوں نے معاشرے میں امن وامان کے قیام کے لیے لوگوں کو اللہ تعالی سے جوڑا رکھنے اور فضول قسم کے سرگرمیوں سے دور رہنے کے لیے فرض عبادات کے ساتھ ساتھ ذکر واذکار پر بھی زور دیا ہے، تاکہ اس سے نہ صرف انسان کا واسطہ اپنے مالک سے جوڑا رہے بلکہ وہ فضول قسم کے سرگرمیوں سے بھی محفوظ رہے۔ قیام امن کے لیے عشق بنیادی سیڑھی ہے۔ جس سے معاشرے میں مساوات، بھائی چارے، عدل وانصاف، ہمدردی اور محبت (عشق) کی فضا قائم ہوتی ہے ۔ عشق حقیقی سے معاشرے کے اندر دیرپا امن قائم ہو سکتا ہے۔ جب ایک دوسرے سے محبت بڑھے گی تو مساوات، آپس میں ہم آہنگی، پیار و محبت اور ایک دوسرے کے حقوق وضروریات کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ اور دوسرے کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد تصور کرے گا۔ یہ سب کچھ تصوف اور بھگتی کے اصولوں پر عمل کرنے سے ممکن ہو سکتا ہے۔ ہندومت اور اسلام کے مصلحین نے معاشرے کے اندر امن وامان کی فضا کو قائم رکھنے کے لیے اور آپس میں پیار و محبت کا رشتہ جوڑنے کے لیے تصوف اور بھگتی کے اصولوں پر کاربند رہنے کی تعلیم دی ہے۔ مختلف سلاسل تصوف کے صوفیاء کرام نے امن وامان، مساوات اور بھائی چارے

کے فروغ کے لیے سر توڑ کوششیں کی ہیں۔اور عصر حاضر میں صوفیاء کرام اسی تگ ودو میں مصروف ہیں کہ کس طرح سے امن کے حصول کو ممکن بنایا جاسکے۔انھوں نے اپنے تعلیمات کے ذریعے لوگوں کو صحیح راستے پر چلنے اور برے راستے پر نہ چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔اور اپنے تعلیمات کے ذریعے سے ان تمام امور کی نشاندہی فرمائی ہے جس سے معاشرے کے اندر پیار و محبت، ہم آہنگی ،مساوات، ہمدردی وغیرہ پیدا ہو سکتی ہے۔اور ایسے تمام افعال سے منع فرمایا ہے جس سے معاشرے میں انتشار، بے چینی پیدا ہونے کا خدشہ ہو سکتا ہے جیسے جھوٹ بولنے سے اجتناب،اور برائی کی باتیں سننے سے پرہیز کرنا وغیرہ۔

ہندومت اور تصوف

ہندومت کے مصلحین نے سب سے پہلے اپنے خدا سے حقیقی عشق پیدا کرنے پر زور دیا ہے۔کیونکہ اگر بھگوان کے ساتھ سچا عشق ہو جائے تو وہ نہ صرف نجات حاصل کر سکتے ہیں، بلکہ معاشرے میں امن کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ صوفیائے کرام اور مصلحین نے امن کے فروغ کے لیے عشق حقیقی کو بنیادی اکائی قرار دیا ہے۔ عام الفاظ میں بھگتی ایک خاص ذات یا ایک خاص دیوتا یا دیوی کی محبت اور پیار میں خود فروختگی یا خود واقفیت کے لیے بولا جاتا ہے۔یہ تسلیم ورضا کا راستہ ہے جہاں انسان غیر کی محبت میں خود کو گم کر دیتا ہے۔فشیر نے بھگتی کے بارے میں لکھا ہے کہ

Bhaktī in Hinduism, Intense devotion to personal aspect of diety[1].

یعنی ہندویت میں بھگتی کسی دیوتا دیوی کی ذات کے ساتھ انتہائی اخلاص اختیار کرنے کا نام ہے۔اس حوالے سے اس میں بانٹنے کا مفہوم شامل ہے جہاں اس مسلک کا پیروکار خود کو غیر کے ساتھ بانٹ دیتا ہے اور اپنی مرضی، اختیار، ارادہ، فکر و عمل کو اسی غیر کی مرضی، اختیار، ارادہ اور فکر و عمل کا تابع بنالیتا ہے ،اور یوں اس کی پوری زندگی اپنے محبوب دیوتا دیوی کے سامنے ملتجیانہ روپ اختیار کر لیتی ہے۔

بھگتی تحریک کے بانی رامانج کا شمار ہندومت کے صف اول کے ان مصلحین میں ہوتا ہے جنھوں نے امن وامان کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیتے ہوئے اپنے مریدوں کے لیے جامع پانچ اصول بیان فرمائے ہیں۔جس پر چل کر وہ کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں۔اگر آج بھی ان اصولوں پر عمل کیا گیا تو امن وامان کو قائم کیا جاسکتا ہے۔

1. مندروں میں جھاڑو دینا
2. عبادت کے لیے پھول وغیرہ ساتھ لے جانا
3. خدا کی عبادت اور حمد وثنا بیان کرنا

4. شاستروں کا مطالعہ کرنا

5. مراقبہ، زہد اور عشق الٰہی کو زندگی کا مقصد بنانا۔

یہ ایسے جامع اصول ہیں کہ بعد میں آنے والے مصلحین نے اگرچہ اپنے اپنے نظریات پیش کیے لیکن کوئی بھی ان اصولوں کے دائرہ سے باہر نہ نکل سکا۔ اس کے علاوہ جہاں تک بھگتی کے عقائد کا تعلق ہے ان میں سر فہرست خدا اور اس کے فضل پر یقین ،مرشد کو عقیدت کی نظر سے دیکھنا، عبادت اور ریاضت میں مشغول ہونا، یوگ کے اعمال اور سماع و رقص اور وجد، تمام مذاہب سے راواداری کا برتاؤ، بت پرستی کی مخالفت اور مساوات بین الناس کی تلقین۔ ان عقائد میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تمام مذاہب سے راوداری کا برتاؤ کرنا چاہیے اور لوگوں کے درمیان مساوات قائم کرنا چاہیے کیونکہ ان ہی کی وجہ سے معاشرے کا امن قائم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہندومت کے مصلحین نے اس بات پر خصوصی طور پر زور دیا ہے کہ جب تک معاشرے سے طبقاتی نظام کا خاتمہ نہ کیا جائے۔ تب تک معاشرے میں امن کا خواب کسی صورت پورا نہیں ہو سکتا [2]۔

تصوف کے حوالے سے رامانج کے پیغام میں تین بڑی باتیں شامل ہیں ایک سماجی خدمت (Social Services)، جو رامانج جھاڑو دینے کی شکل میں اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ سماجی خدمت قوموں کے درمیان اور انسانی نسل کے درمیان نفرت کے جڑوں کو ختم کرتا ہے۔ جھاڑو دینے میں ایک طرف عاجزی اور انکساری کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ اس حوالے سے کوئی بھی جھاڑو دینے والا مفسد دہشت گرد نہیں ہوتا کہ دوسروں کے امن کو سبوتاج کرے بلکہ وہ خود امن کا پجاری اور پرچاری ہوتا ہے۔ بعد میں ہندو رہنماؤں جیسے مہاتما گاندھی نے اپنے فلسفہ کی بنیاد زیادہ تر اھمسہ اور سماجی خدمات پر رکھی۔ اسلام میں بھی جھاڑو دینے کی بڑی فضیلت ہے حضرت ابوہریرہ نے آپ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ایک حبشی عورت یا مرد جو کہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی ایک دن اس کا انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے ان کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بتادیتے۔ بعد میں آپ ﷺ ان کے قبر پر گئے اور نماز بھی پڑھی [3]۔

رامانج کے درس کا دوسرا حصہ پھول ساتھ لے کر جانے کی نشاندہی کرتی ہے۔ عموماً پھول خوشی، پیار اور محبت کی علامت ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو گلدستے پیش کیے جاتے ہیں۔ دلہاؤں کو پھولوں کے سہرے پہنائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمان مردوں کی چارپائی اور قبر اور ہندو مردوں کی ارتھی اور سمادی پر پھول نچھاور کی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ بتاتی ہے کہ پھول، پیار، محبت، امن اور سکون کے سفیر ہیں، تو جو دو افراد کے درمیان پیار و محبت کو بڑھا سکتی ہے، وہ دو اقوام کے درمیان میں بھی جنگی رجحان کو ختم کر کے اسے محبت اور پیار میں بدل سکتی ہے۔

تیسری چیز خدا کی عبادت اور مراقبہ ہے۔ دینیاتی لحاظ سے یہ ایک مفید عمل ہے جس میں مشغول ہو کر انسان نہ صرف اپنے خالق کے بارے میں سوچتا ہے بلکہ اپنے اور خالق کے درمیان تعلقات کا تعین کرتا ہے اور اپنے ذات اور اپنے ہم جنس انسانوں کے درمیان میں تعلقات کا تعین کرتا ہے۔ جو ایک خوش آئند نتیجہ برآمد کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ مراقبہ انسان کے اندر پیار و محبت کو کوٹ کوٹ کر بھر دیتا ہے۔ تصوف میں یہ بڑی کامیابی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے دینیاتی مصادر میں جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان جنگ کا میدان گرم تھا وہاں ہندو مسلم صوفیاء ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے اور جہاں ہندو مسلمان صوفیاء اور مسلمان ہندو پنڈتوں کا احترام کرتے تھے یہاں تک کہ جب سکھوں نے معبد زریں (Golden temple) کی تعمیر کا ارادہ کیا تو سنگ بنیاد کے لیے لاہور کے صوفی میاں میر کو بلایا گیا[4]۔ یہ ایک اعتماد تھا جو ہندو سکھ برادری کا مسلمان صوفیاء پر تھا۔ ہندو عوام مسلمان صوفیاء کے مجالس میں آکر بیٹھا کرتے تھے اور یوں اپنے ساتھ محبت اور امن کی مہک لے کر جاتے تھے۔

محبت صرف یہ نہیں ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان ہو جس کے لیے وہ لوگوں سے دور جا کر جنگلوں میں رہائش اختیار کر کے صرف خالق کی عبادت میں مصروف ہو جائے اور لوگوں کی غم اور خوشی میں حصہ نہ لے۔ بلکہ حقیقی محبت تو ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان ہو۔ اس کے دکھ کو اپنا دکھ اور اس کے خوشی کو اپنی خوشی سمجھے۔ رامانج نے اپنی تعلیمات میں اس بات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

> Love found a place not only in the relation of a man and God, but also man and man[5].

"محبت صرف یہ نہیں ہے کہ وہ معبود اور عبد کے مابین ہو بلکہ محبت تو وہ ہے جو کہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہو۔"

محبت کے بارے میں مرزا بیدل نے کیا خوب کہا ہے:

> The path of the love never ends. The more you travel the longer it grows. It is like the grape vine which grows faster by trimming it[6].

"محبت ایسی راہ ہے کہ اگر اس پر زیادہ مسافت طے کی جائے تو یہ کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ مزید بڑھتی ہے۔ یہ انگور کی بیل کی طرح ہے جو کہ تراشنے سے مزید بڑھتی رہتی ہے۔"

ورن آشرم کا نظام ہندومت میں زہر کی طرح پھیل گیا ہے۔ اور یہ امن و امان اور پیار و محبت کی راہ میں بنیادی رکاوٹ ہے اس نظام کو ختم کیے بغیر امن کے قیام کا تصور بھی بے کار ہے۔ کیونکہ اس سے معاشرے میں احساس کمتری اور بے چینی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگوں کے حقوق کا خیال صحیح طور پر نہیں رکھا جاتا۔ رامانند نے ورن آشرم جیسے نظام کی بھرپور انداز میں مخالفت کرتے

ہوئے کہا ہے کہ جب تک کسی قوم کے اندر ذات پات کا نظام موجود رہے گا اور جہاں برہمن جیسی ذات کو دوسری ذاتوں پر فوقیت دی جاتی ہو، جہاں پر ایک ذات کے لوگوں کا دوسرے ذات کے لوگوں کے ساتھ نکاح نہ ہو سکتا ہو تو اس سے یقیناً ایک دوسرے کے خلاف نفرت پروان چڑھے گی جو ایک نہ ایک دن بڑے طوفان کی صورت اختیار کر کے سب کو بہالے جائے گی۔ اس لیے اگر ہندومت کے اندر ورن آشرم کا نظام نفرت کی بنیادوں قائم ہوئی ہو تو وہ دوسرے اقوام کے ساتھ محبت اور پیار کو کیسے پروان چڑھا سکتی ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان جو نو سو سال تک آپس میں امن اور خوشی سے رہے اس میں دونوں طرف کے مصلحین اور صوفیاء کا کردار مرکزی تھا۔ رامانند نے اپنے نئے فرقے میں بغیر کسی تفریق کے چاروں ذات کے لوگوں کو بلاامتیاز شامل کیا[7]۔

اسی طرح ہندومت کے ایک بڑے صوفی شاعر اور عظیم مصلح کار کبیر نے اپنے شاعری کے ذریعے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اتحاد و اتفاق، پیار و محبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے خدا اور ذات پات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بت پرستی گمراہی کا باعث ہے۔ ذات پات کا نظام ہندومت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا (Stigma) ہے، ہم کو چاہیے کہ ہم سب نسلی امتیاز کے بجائے آپس میں پیار و محبت سے رہیں۔ ایک اور مقام پر ہندوؤں سے فرمایا ہے کہ وہ مصلحین کی ان باتوں پر جو ان کے لیے ناقابل عمل ہیں اور جن پر عمل کرنے سے نقصان کا خدشہ پیدا ہوتا ہو تو ان پر عمل کرنے سے گریز کریں جیسے رسومات قربانی، ساحرانہ قوتوں کی خواہش، زبانی پوجا منتر، یاترا، روزہ، بتوں اور دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا، برہمن کا تفوق اور ذات پات کا فرق وغیرہ۔ اس کے علاوہ ایک اور مقام پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ تمام جاندار اشیاء کا احترام کریں، بغیر کسی معقول وجہ کے خون بہانے سے اجتناب کریں، مذہبی اور خاندانی تفاخر کو چھوڑ دیں۔ سماج پر خود بوجھ بننے کے بجائے سماج کی مصیبتوں کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ مسیحیت میں اس طرح کی تصوف (St.Benedict) نے پیش کیا تھا[8]۔

مزید آپ نے ہندو اور مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مذہبی اور نسلی اعتبار سے ہندو اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہندو اور مسلمان ایک ماورائی قوت کی عبادت کرتے ہیں۔ دونوں کے بابا آدم اور خون ایک ہے۔ کبیر نے اپنے تعلیمات میں ہندوستان کے مسلمانوں کو ترک کا نام دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ہندوؤں اور ترکوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مرشد (پیر) کے بتائے ہوئے ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کریں[9]۔ کبیر نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو معرفت الٰہی کا سبق دیتے ہوئے کہا کہ مذہب بھگتی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (بھگتی سے مراد وہ عبادت ہے جو عاشقانہ و والہانہ کی جائے)۔ ہندوؤں اور

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ عرفان الٰہی کے حصول میں ہمہ تن مصروف رہیں۔اور آپس میں بھائی بھائی جیسی محبت کو قائم رکھیں[10]۔

اسی طرح کا اظہار ہندومت کے ایک اور صوفی شاعر دادوٗ دیال (م1603ء) نے بھی کیا ہے انھوں نے اپنے اشعار میں ہندو مسلم اتحاد اتفاق پر زور دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تمام دلوں میں خواہ وہ ہندو ہے یا مسلمان ایک ہی روح کار فرما ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا۔ ہندو اور مسلمان آپس میں دو بھائی ہیں اور یہ ایک ہی جسم کے ہاتھ پیر، ایک جسم کے دو کان یا دو آنکھیں ہیں[11]۔

ملوک داس نے تصوف کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ تصوف صرف گوشہ نشینی یا خود تطہیری عمل کا نام نہیں ہے بلکہ تصوف لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونا، ان کے درد کو اپنا دکھ درد سمجھنا اور ان کے غم کا ازالہ کرنا ہی اصل میں تصوف ہے۔ پس اچھا صوفی وہ شخص ہے جو سماج کے اندر گھوم پھیر کر لوگوں کے غموں سے واقفیت حاصل کرے اور پھر ان کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ آگے مزید فرمایا ہے کہ جو شخص بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے خواہشات نفسانی پر غلبہ حاصل کرتا ہے ایسا شخص جلد خدا کو پا سکتا ہے۔ اس لیے اچھا صوفی وہی شخص ہے جو سب انسانوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتا ہے[12]۔

سلسلہ ستنامی کے بانی بیربھان کا شمار ہندومت کے اعلیٰ مصلحین میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں کے لیے بارہ احکامات صادر فرماتے ہوئے ان پر چلنے کی تلقین کی تاکہ وہ ان احکامات پر عمل کر کے نہ صرف خود کامیاب زندگی گزار سکیں۔ بلکہ اس سے معاشرے کے اندر بھی امن و سکون کی فضا قائم ہو سکے۔ ان احکامات میں ایک خدا کی عبادت کرنا، جھوٹ پر دھیان دینے سے پرہیز، عجز وانکساری کا مظاہرہ کرنا، دنیا سے محبت نہ کرنا، جھوٹ بولنے سے اجتناب کرنا، برائی کی باتیں سننے سے پرہیز کرنا ، کسی بھی چیز کی لالچ نہ کرنا، ذات کا نام نہ لینا، اپنے عقیدے پر کاربند رہنا، نشیلی اشیاء کے استعمال سے اجتناب، کسی کے ساتھ ہر قسم کی زیادتی سے پرہیز اور صرف اپنے مالک کی رضا تلاش کرنا شامل ہے۔ اگر بیربھان کی باتوں پر غور کیا جائے تو یہی باتیں کسی بھی معاشرے کے لیے ایسے بنیادی اصول ہیں کہ اگر آج بھی ان پر عمل کیا جائے تو امن وامان، پیار و محبت، مساوات اور بھائی چارے کی فضا قائم کی جا سکتی ہے[13]۔

مسلمان اور تصوف

اسلام جو کہ امن و سلامتی کا مذہب ہے اسلام کے معنی خود سپردگی، سلامتی اور اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ اس لیے اسلام نے امن وامان کے قیام کے لیے ایسے تعلیمات پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے جس سے معاشرے میں امن وامان، پیار و محبت کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔ جیسے وحدت نسلی انسانی، احترام انسانیت، مساوات، آزادی، عدل وانصاف، انسانی جان و مال کی

حفاظت۔ اور ایسے افعال سے منع فرمایا ہے جس سے امن کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جیسے عداوت و بغض، ظلم، قتل بے گناہ، مذاق، چوری، جھوٹ، لالچ، زنا، تعصب وغیرہ۔ تصوف کا بھی یہی بنیادی مقصد ہے کہ دل سے ہر طرح کے بری باتوں کو نکالا جائے جو کہ دوسرے لوگوں کے لیے نقصان کا باعث بنتے ہیں اور دل میں اچھی باتوں کو جگہ دیں جو دوسروں لوگوں کے فائدے کا سبب بنے۔ جیسا کہ ابو محمد الجریری نے تصوف کے بارے میں فرمایا ہے کہ تصوف ہر طرح کے نیک خصلتوں کو اپنانے کا اور بری عادتوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے[14]۔

صوفیاء کرام نے تصوف کے تصور کی بنیاد قرآن کریم کے اس فلسفہ پر رکھی جس میں باہمی تعاون کے فروغ پر زور دیا گیا ہے اور جس میں دنیا کی موجودہ آبادی کو نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ ارشاد باری تعالی ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ[15]

"اے لوگوں اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا۔"

اسلام دنیا کا واحد حقائق پر مبنی دین اور عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام نے نہ صرف ہر مذہب کے ماننے والوں کو مذہبی آزادی کا حق دیا ہے بلکہ دین کے معاملے میں ان پر سختی کرنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے :

لا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ[16]

"دین میں کوئی تنگی نہیں۔"

اللہ تعالی نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے پے در پے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے ہیں ان کا کام بنی نوع انسان تک اللہ تعالی کے احکامات پہچانا تھا۔ نہ کہ ان پر زبردستی کرتے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ[17]

"پس آپ ﷺ ان کو سمجھاتے رہیے آپ ﷺ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ﷺ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں۔"

مذہبی آزادی کا حق دینے کے ساتھ ساتھ اسلام نے ہر انسان کو جانی تحفظ کا حق بھی دیا ہے خواہ ان کا تعلق کسی بھی رنگ و نسل، کسی بھی ذات اور کسی بھی مذہب سے کیوں نہ ہوں۔ کسی بھی انسان کو بلا وجہ قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور بغیر کسی معقول وجہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا [18]

"جو کوئی کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد پھیلانے کے مار ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا اس نے پوری انسانیت کو بچایا۔"

اللہ تعالی کے ہاں انسان کی خون کی بہت قدر و قیمت ہے۔ جب قابیل نے ہابیل کو ناحق قتل کیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی خون کی اہمیت اور تکریم کتنی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے واضح کیا ہے کہ بغیر قصاص اور زمین میں فساد پھیلانے کے علاوہ انسانی خون کی حرمت کی جائے۔ اسلام نے تمام انسانوں کو برابری کا حق دیا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں برتری کی علامت رنگ و نسل، زبان نہیں تمام آدمؑ کی اولاد ہیں فوقیت صرف پرہیزگاری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللَّهِ أَتْقَاكُمْ[19]

"اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے ہیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ تعالی کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اس آیت میں اس بات کی واضاحت بھی کی گئی ہے کہ تم سب کی اصل ایک ہی ہے یعنی تم سب ایک ہی ماں باپ کے اولاد ہو۔ کسی کو خاندان یا نسب کی بنیاد پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ سب کا نسب حضرت آدمؑ سے جا کر ملتا ہے۔ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم صرف تعارف کے لیے ہے۔ تاکہ آپس میں صلہ رحمی کر سکو۔ نہ کہ برتری کا اظہار کرو۔ اللہ تعالی کے ہاں برتری کا معیار صرف اور صرف تقوی ہے۔ اسلام انسان سے اس بات تقاضا کا کرتا ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور برائیوں کی کاموں میں مدد نہ کریں۔ ارشاد باری تعالی ہے

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلا تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[20]

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی بات میں تعاون نہ کرو اور اللہ تعالی سے ڈرو بے شک اللہ تعالی سخت عذاب دینے والا ہے۔"

یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو قدم قدم پر کامیابی نصیب ہو گی۔ کیونکہ جب نیکی کے کاموں میں مدد کی جائے گی تو اس سے معاشرے میں خوش گوار ماحول پیدا ہو گا۔ اور آپس میں ہم آہنگی اور پیار و محبت کی فضا قائم ہو گی۔ اور نفرت کا خاتمہ ہو گا۔

مسلمان صوفیائے کرام نے زندگی کے ہر میدان میں لوگوں کی راہنمائی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر پاک

وہند میں چار سلاسل تصوف چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ کو بہت شہرت حاصل ہوئی ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے بڑے صوفیائے کرام جیسے معین الدین چشتیؒ، قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابافریدؒ اور نظام الدین اولیاءؒ نے برصغیر کے معاشرتی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید امیر خسروؒ جس کو اردو اور ہندی کا باپ تصور کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پل کا کردار ادا کیا ہے۔ ایک آیت میں اس نے لکھا ہے۔

"Condemn not the idol worshipers; Learn from them the way of worship".

" بتکے پوجا کرنے والوں کو ملامت نہ کرو بلکہ ان سے عبادت کا راستہ سیکھو ۔"

ہندوستان میں امن وامان کے سلسلے میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کی قائم کردہ خانقاہوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ان خانقاہوں کا معاشرے میں مساوات، ہمدردی، اتحاد واتفاق اور امن وسلامتی میں بھی اہم کردار رہا ہے۔

مسلم صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات کی بنیاد قرآن وحدیث کے اصولوں پر رکھی ہے۔ اپنے تعلیمات کے ذریعے محبت خداوندی، خدمت خلق، مساوات، عدل وانصاف، مذہبی آزادی کا پیغام دیا ہے۔ یہ صحیح معنوں میں معاشرے میں دیرپا امن کے قیام کے لیے بنیادی اصول ہیں۔ کیونکہ معاشرے میں ان کی فقدان کی وجہ سے امن تباہ ہوتا ہے۔ اور افراتفری اور فساد کا موجب بنتا ہے۔ صوفیائے کرام نے اپنے ارشادات میں محبت الٰہی پر خاص طور پر زوور دیا ہے۔ حقیقت میں جس انسان کو اللہ تعالی سے محبت ہوتی ہے تو پھر اس کے تمام کام عین اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ان کاموں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اللہ تعالی کے احکامات کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ اور ہر وہ کام کرتا ہے جسے اللہ تعالی پسند فرماتا ہے[21]۔

قرآن کریم نے انسان کے لیے دینی عقائد واعمال کی بنیاد رحمت اور محبت پر رکھی ہے۔ اس لیے کہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائنات فطرت کے عالم گیر کارخانے سے جدا اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا بلکہ اس کا ایک وابستہ کونہ قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان محبت کا رشتہ ہے[22]۔

ارشاد باری تعالی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ[23]

"اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں کو اس کے ساتھ شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے۔ اور جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ سے زبردست محبت رکھتے ہیں۔"

آپ ﷺ کی پاک زندگی سے اس بات کی واضاحت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی اللہ تعالی کی محبت سے بھری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ اللہ تعالی کی محبت میں ہر گھڑی مصروف ہوتے تھے۔ راتوں کو اٹھ کر اتنی عبادت کرتے تھے کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا تھا۔ آپ ﷺ کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کی خوف اور ڈر کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں۔ لیکن ایسی بات نہ تھی کیونکہ آپ ﷺ گناہوں سے پاک اور معصوم تھے۔ آپ ﷺ کی عبادت کا مقصد محبت خداوندی تھی نہ کہ ڈر۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے صوفیائے کرام نے بھی نہ صرف اپنی زندگیوں میں اس پر عمل کیا بلکہ اپنے تعلیمات کے ذریعے لوگوں کو بھی محبت الہی کی طرف دعوت بھی دیتے تھے۔ اصحاب طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسانی زندگی کا بنیادی اور اصل مقصد اللہ تعالی کی محبت ہے۔ قرآن مجید نے بھی بار بار اسی بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ[24]

"اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔"

محبت ہی اصل میں کسی چیز کو پانے کی بنیادی اکائی ہے۔ محبت کے بغیر کسی چیز کو پانا ناممکن ہے۔ امام غزالی نے محبت الہی کے حصول کا معیار محبت کو مقرر کیا ہے۔ اور اس مقصد کے لیے سات علامتوں کو مقصد زندگی قرار دیا ہے۔

1. موت سے ناراض نہ رہے بلکہ اس کے لیے ہر وقت تیار رہے تاکہ موت آتے ہی محبوب کا دیدار نصیب ہو اس لیے کہ کوئی عاشق اپنے محبوب کے دیدار سے کراہت نہیں دیکھتا۔
2. اپنی ہر پیاری چیز کو خدا کی محبت پر قربان کردے اور جو چیز قرب خداندی کا باعث ہے اس پر کاربند رہے اور جو چیز اللہ تعالی سے دوری کا باعث بنتا ہے اس سے دور رہے۔
3. ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہے تاکہ اس سے دل تازہ رہے اور بے دھڑک اس کا خواہش مند رہے۔ اس لیے کہ جو آدمی کسی چیز کو دوست رکھتا ہے۔ تو اکثر اس چیز کا ذکر کرتا ہے۔
4. ہر وہ چیز جو اس کی طرف منسوب ہو کو دوست رکھے جب یہ دوستی مضبوط ہو جائے تو تمام خلق کو دوست رکھے۔
5. ہمیشہ دل میں مناجات کا حسد رہے اور رات کے آنے کا خواہش مند رہے تاکہ تنہائی میں دوست کے ساتھ مناجات کرے۔
6. اس کے لیے عبادت تکلیف دینے والا نہ ہو بلکہ اس کے لیے آسان ہو۔

7. خدا کے سب اطاعت گزار بندوں کو دوست رکھے [25]۔

صوفیاء کرام نے امن کے قیام کے لیے محبت الٰہی کے ساتھ ساتھ اس کی عبادت کرنے پر بھی زور دیا ہے۔ کیونکہ انسان کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت الٰہی ہے۔ جیسے کہ ارشاد ربانی ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلا لِيَعْبُدُونِ[26]

"اور میں نے جن اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔"

خدمت خلق انسانی زندگی کا بنیادی مقصد اور محبت الٰہی کا عملی راستہ بھی ہے۔ صوفیاء کرام نے اپنے تعلیمات کے ذریعے خدمت خلق پر خاص طور پر زور دیا ہے۔ وہ خود ہر وقت اس کوشش میں ہوتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نہ صرف مدد کی جائے بلکہ ان کو آپس میں محبت کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ خدمت خلق کے سلسلے میں سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھنے والے صوفی نظام الدین اولیاء فرماتے تھے کہ قیامت کے بازار میں کسی چیز کی اتنی عزت نہیں ہو گی جتنی عزت لوگوں کے دلوں کو سکھ چین پہنچانے والوں کی ہو گی [27]۔

حضرت جنید بغدادی نے بھی خدمت خلق کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ میں نے مدینہ کی گلیوں میں حق کو خدمت خلق کے ذریعے سے پایا ہے [28]۔

برصغیر کی سرزمین پر پہلے قدم رکھنے والے صوفی بزرگ عثمان علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کی ذات ہے۔ آپ کے لاہور میں آنے سے یہاں رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا جو آج بھی جاری و ساری ہے۔ آپؒ کے وفات کے بعد آپ کا مزار پاک ہزاروں تشنگان راہ ہدایت کی پیاس بجھاتا ہے۔ یہاں پر آپ نے لنگر جاری کیا جہاں سے غرباء اور مسکینوں کو کھانا ملتا تھا آج بھی وہ لنگر جاری ہے اور غریبوں اور مسکینوں کو کھانا ملتا ہے۔ آپؒ نے یہاں پر ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ جہاں سے آپؒ نے تبلیغی سرگرمیوں اور درس و تدریس کا آغاز کیا تھا [29]۔

طبقاتی نظام جس سے معاشرے میں بے اطمینانی، بے چینی کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اسلام تو شدید الفاظ میں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اس لیے مسلم صوفیاء نے بھی اسی کی خاتمہ کے لیے بھرپور کوششیں کی ہیں۔ برصغیر میں سلسلہ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ نے پر زور الفاظ میں طبقاتی نظام کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام انسان برابر ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ عزت اور بڑائی کا معیار رنگ و نسل، زبان اور دولت

نہیں بلکہ عزت و عظمت کا معیار تقوی پر ہے۔ مزید مذہب کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ مذہب کا تعلق کسی خاص فرقے یا طبقے سے نہیں اور نہ ہی کسی خاص قوم کی اس پر ٹھیکہ داری ہے۔ مذہب تو انسان کی اصلاح و فلاح کا ذریعہ ہے۔ اور ہر ایک کو اسے اختیار کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ آپؒ نے اپنے تعلیمات میں لوگوں کو مخلوق خدا سے محبت کرنے ،عفو ودر گزر، بڑوں کا احترام، چھوٹوں سے پیار، ظلم و فساد سے گریز اور انسانیت کے خدمت کا سبق دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو وحدت و عشق کی دعوت دی اور ترک رذائل اخلاق کی ہدایت فرمائی ہے[30]۔

دور حاضر کے پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے محبت الٰہی کا انسانی زندگی پر اثرات مرتب ہونے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ

- ✓ محبت الٰہی سے زندگی میں مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے۔
- ✓ محبت الٰہی سے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ میں خدا کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔
- ✓ محبت الٰہی کی وجہ سے آدمی کو پتھر اور سونا دونوں ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں۔
- ✓ محبت الٰہی کی وجہ سے سالک میں توکل اور بے نیازی کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔
- ✓ محبت الٰہی کی وجہ سے سالک کو رزق تلاش کرنے کی فکر نہیں رہتی[31]۔

اس کے علاوہ اخلاقی تعلیم معاشرے کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ صوفیاء کرام نے اخلاقی تعلیم پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اخلاقی تعلیم کے بارے میں تو صوفی نظام الدین اولیاء نے فرمایا ہے کہ بہت نماز پڑھنا، ہر وقت وظائف میں مصروف ہونا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ یہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔ یہ تو ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے۔ وہ روزہ بھی رکھ سکتی ہے ،تہجد کی نماز بھی ادا کر سکتی ہے لیکن مردان خدا کا کام تو اخلاقی تعلیم ہے[32]۔

مزید فرمایا ہے کہ مسلمان تو وہ ہے جو دشمنوں کے ساتھ بھی بھلائی کرے۔ فرمایا کہ اگر کوئی تیرے راستے میں کانٹے بچھادیئے جائیں اور جواب میں تو بھی اس کے راستے میں کانٹے بچھادیں تو اسی طرح سے ساری دنیا کانٹوں سے بھر جائے گی۔ لیکن درویشوں کا طریقہ ایسا یہ نہیں۔ انھیں نیک اور بد دونوں کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے۔ مزید فرمایا برا کہنا بے شک برا ہے مگر برا چاہنا اس سے بھی زیادہ برا ہے[33]۔

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کا تعلق سلسلہ سہروردیہ سے ہے۔ آپؒ نے ملتان میں ایک دینی درسگاہ اور خانقاہ کی

بنیاد رکھ کر ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ مدرسے اور خانقاہ کے اخراجات لوگوں کے بھیجے ہوئے عطیات سے پورے ہوتے تھے۔ خانقاہ میں ایک لنگر بھی چلتا تھا۔ جہاں سے مہمانوں، غریبوں اور مسافروں کو کھانا ملتا تھا۔ آپؒ نے سب سے بڑی مالی قربانی اس وقت انجام دی جب تاتاریوں نے ملتان پر حملہ کیا اور ملتان کو برباد کرنا شروع کیا تو آپؒ نے اپنے خزانے سے ایک لاکھ روپے دے کر ملتان کو تباہی سے بچایا[34]۔

صوفیائے کرام کی خانقاہیں انسانی ہمدردی اور امن کے آماجگاہ تھیں۔ معین الدین چشتی فرماتے تھے کہ سب سے اعلی عبادت ضرورت مند کی مدد اور بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔ آج بھی لوگوں کی کثیر تعداد ان صوفیائے کرام کے درگاہوں پر امن اور محبت کی تلاش میں جاتے ہیں۔ یہ بزرگان دین جب تک زندہ تھے امن اور محبت کا پیغام دیتے رہے۔ انھوں نے اپنے اعمال و کردار، تصانیف اور زبان کے ذریعے سے ہمیشہ امن کا پیغام دیا۔ محبت امن کی اساس ہے۔ محبت کے سوا ہم آہنگی اور مصلحت وعارضی ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ

> Let peace be here, let peacs be there and let peace be in between.Let peace be everywhere.Let peace not be torn into pieces[35].

"یہاں اور وہاں امن ہو، آپس میں محبت ہو اور ہر طرف امن ہی امن ہو، امن کو ٹکڑوں میں نہ کرو۔"

آج کا انسان جو ذہنی سکون میں مبتلا ہے جس کو نہ ذہنی سکون حاصل ہے اور نہ جسمانی آرام۔ وجہ صاف ظاہر ہے وہ یہ کہ آج کے دور کو اگر ہم نفسا نفسی کا دور کہہ دیں تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ آج کا انسان اپنے آپ تک محدود ہو گیا ہے۔ ان کا رابطہ دنیا کے انسانوں سے دور یہاں تک کہ اپنے گھر میں اپنے بھائی سے بھی دور ہے۔ ہر وقت پریشان حال انسان محبت کے لفظ سے نابلد ہے انھوں نے محبت کے لفظ کو بھلا دیا ہے جس کی وجہ سے ان کے درمیان مذہبی، لسانی، سیاسی اور سماجی دوریاں پیدا ہو رہی ہیں اور تعصب دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے۔ جس کی بابت آج کا خود غرض انسان بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے بھائی کا خون بہا رہا ہے اور پھر اس کو مذہب سے جوڑتا ہے۔ حالانکہ کسی مذہب میں بھی ایسی تعلیم موجود نہیں کہ بغیر کسی گناہ کے انسان کو قتل کر دیا جائے۔ تمام مذاہب میں کسی انسان کو بلا وجہ قتل کرنا گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اور اس کی سزا جہنم ہے۔ اس دور میں ان تمام بیماریوں کا علاج صرف تصوف ہی میں پوشیدہ ہے۔ تصوف ہی ایسا مرہم ہے جس سے ان کا علاج ممکن ہے۔ تصوف ہی بدولت آپس میں پیار و محبت بڑھتا ہے جو کہ خوشحالی اور کامیابی کا سبب بنتا ہے۔ اور پھر دنیا کے تمام انسان خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو آپس میں پیار و محبت پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمارا مذہب اسلام ہمیں یہ دعوت دیتا ہے کہ دنیا کے تمام افراد آپس

میں بھائی بھائی ہیں کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور وہ مٹی سے بنے تھے۔ اس وجہ سے تمام انسان خواہ ان کا تعلق ہندو مت سے ہے، یا سکھ مت سے، یا یہودیت سے، یا عیسائیت سے یا اسلام سے ان سب کی تکریم و تعظیم ہر انسان پر لازمی ہے۔

یوسف سلیم چشتی کے ہاں تصوف کا پہلا سبق بھی یہی ہے کہ سب انسانوں کو اللہ تعالی نے پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ آپ نے حالی کا ایک شعر نقل کیا ہے کہ

"یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدی کا کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا[36] ۔"

پہلے دور میں صوفیائے کرام اور مصلحین نے انسانوں کے درمیان پیار و محبت پیدا کرنے کے لیے مذہب سے بالاتر انسانیت کی خدمت انجام دیتے تھے۔ خاص طور پر صوفیائے کرام کا کردار اس ضمن میں قابل ذکر ہے۔ صوفیائے کرام کے خانقاہوں کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے ہوتے تھے۔ اور ان کے لنگر میں ہر ایک کو داخلے کی آزادی ہوتی تھی۔

ٹیکنالوجی اور سائنس کے اس دور میں اگرچہ جرائم پر طاقت کے ذریعے قابو پایا جاسکتا ہے لیکن یہ دیرپا نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے آج پوری دنیا کے انسان ایسے مسیحا کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں جو ان کو ایسا دیرپا امن جس میں پیار و محبت کی چہل پہل ہو۔ آج ہم اگر اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں تو ہمیں صاف طور پوری دنیا میں محبت کی جگہ نفرت دکھائی دیتی ہے۔ شائد دنیا کا کوئی ایسا کونہ نہیں جہاں امن کی فضا قائم ہو۔ غیر ترقی یافتہ ممالک کو چھوڑیں ترقی یافتہ ممالک میں بھی امن کی فضا میسر نہیں۔ مذہب کی سہارے قتل و غارت جاری ہے اگر آج ھم نے اس طرف توجہ مرکوز نہ کی تو وہ وقت دور نہیں کہ مذہبی عداوت پوری دنیا کو لپیٹ میں لے گا اور پھر ہر طرف فساد ہی فساد دیکھائی دے گا۔ آج ہم کو تصوف اور بھگتی کی راہوں یا اصولوں پر عمل کرنا ہوگا۔ تاکہ معاشرے میں امن و امان کی فضا قائم ہو سکے اور انسان آپس میں پیار و محبت کی زندگی گزار سکیں۔ اس لیے کہ تصوف مذہب کی روح ہے۔ یہ انسان کو خدا سے محبت سکھاتا ہے۔ تصوف کی وجہ سے انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ تمام مذاہب تصوف سے خالی نہیں ہیں اس لیے تصوف ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ اور ان تمام کا مقصد بھی ایک ہے[37] ۔

اگر صوفیائے کرام اور مصلحین نے ماضی کی طرح اپنا کردار ادا کرنا شروع کیا تو دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے، نفرت کی جگہ محبت لے سکتا ہے جس سے معاشرے میں محبت و پیار کا بول بالا ہوگا۔ اور تمام لوگ بغیر کسی خوف و خطر کے اپنے

عقیدے کے مطابق زندگی بسر کر سکیں گے۔ مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب تک حقیقی مالک سے محبت نہ ہوگی تب تک امن وامان کا قیام ناممکن ہے۔ جب حقیقی مالک سے محبت پیدا ہوگی تو نہ مذہبی، نسلی اور لسانی مسائل پیدا ہوں گے بلکہ سب انسان ایک جسم کے مانند ہوں گے۔ وہ حقیقی خدا کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل پیرا ہوں گے اور وہ احکامات جن سے منع فرمایا ہے اس سے دور رہے گے۔ ایک حقیقی خدا سے محبت تصوف کا بنیادی مقصد ہے۔ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سب انسانوں کا باپ ایک ہیں۔ یہ ذات اور قبیلے کا جو فرق ہے یہ صرف ایک دوسرے کی شناخت کے لیے ہے۔ تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکے۔

خلاصہ

الغرض ہندو مسلم صوفیاء کرام نے جن تعلیمات کا درس دیا ہے۔ یہ ایسے ٹھوس، اصلی اور بنیادی اصول ہیں۔ کہ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ محبت الٰہی، خدائے واحد کی عبادت، طبقاتی نظام کا خاتمہ، اتحاد و اتفاق کی ضرورت، بت پرستی کی ممانعت، نسلی امتیاز میں فرق، مذہبی اور خاندانی تفاخر، جاندار اشیاء کا احترام، بے جا خونریزی کی ممانعت، مذہبی آزادی، لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، لوگوں کے غموں کو جاننا، خواہشات نفسانی پر غلبہ پانا، جھوٹ سے پرہیز، عجز و انکساری، دنیا سے محبت نہ کرنا، برائی کی باتیں سننے سے پرہیز، کسی بھی چیز کا لالچ نہ کرنا، عقیدے پر کاربند رہنا، نشیلی اشیاء سے پرہیز، مالک کی رضا، جانی تحفظ کی فراہمی، بلاوجہ قتل کی ممانعت، انسانی خون کی حرمت، ظلم کی باتوں میں تعاون نہ کرنا، اچھائی کی باتوں میں مدد کرنا، مساوات، ہمدردی، خدمت خلق، عدل وانصاف، عفو در گزر، بڑوں کا اخترام، چھوٹوں پر شفقت، ظلم و فساد سے پرہیز، انسانیت کی خدمت، ضرورت مندوں کی خدمت، اخلاقی تعلیم، دشمنوں سے بھلائی سے پیش آنا۔ صوفیائے کرام کے ان ارشادات پر عمل کر کے حقیقی معنوں میں دیرپا امن کا قیام ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ جہاں پر ہر ایک کو نہ صرف زندگی کی بنیادی حقوق بلکہ اپنے اپنے عقائد پر آزادنہ طور عمل کر کے زندگی گزار سکیں گے۔

حواشی وحوالہ جات

1 Mary pat fisher, Living Religion, , Newjersy:printice Hall,2005,p5

2 پروفیسر غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ (لاہور: علم وعرفان پبلیشرز، 2006ء)ص: 216

3 امام بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، اردو ترازمولانا ظہور الباری، (لاہور: سلامی کتب خانہ، (س-ن) 1: 223

4 Rajendra Prasad, Indiadivided (Bombay: Hindkitabs LTD Publisher, 1947) ppg.35

5 Wahid Bakhsh Rabbani, Islamic Sufism (Aligarh: Premier publishing company, 2001) ppg.235

6 Ibid: 96

7 ذاکر نائیک، دنیا کے بڑے مذاہب، حقیقت کے آئینے میں (لاہور: اردو ترازصباح اکرم، عبداللہ اکیڈمی، 2009ء) ص482

8 Living Religion, ppg 9

9 ڈاکٹر تاراچند، ہندوستانی ثقافت پر اسلام کے اثرات (کوئٹہ: اردو ترازسعود الحسن خان، غزنوی کتب خانہ، 2007ء) ص: 204

10 عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1957ء) ص502 - 503

11 ہندوستانی ثقافت پر اسلام کے اثرات :236 - 237

12 نفس مصدر: 241- 242

13 مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ: 225- 226

14 ڈاکٹر میر ولی الدین، قرآن اور تصوف (لاہور: مطبع وسن اشاعت نامعلوم) ص: 14

15 سورۃ النساء4: 1

16 سورۃ البقرۃ 2 : 256

17 سورۃ الغاشیۃ88 : 21 -22

18 سورۃ المائدۃ5 : 32

19 سورۃ الحجرات 49 : 13

20 سورۃ المائدۃ 5: 2

21 حبیب الرحمن رائے پوری، ارشادات (لاہور: مکتبہ سر سید احمد شہید، 1997ء) ص: 130

22 روئیداد، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (سہانپور: طبع سہانپور، 1291ھ) ص: 65

23 سورۃ البقرۃ 2: 165

24 سورۃ البقرۃ 2: 165

25 امام غزالی، کیمیائے سعادت، ترجمہ مولوی فخر الدین (لکھنؤ: ناشر نولکشور بک ڈپو، 1347ھ) ص: 600- 602

26 سورۃ الذاریات51: 56

27 مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ (لاہور: سندھ ساگر اکادمی، 1982ء)

28 مولانا شبلی نعمانی، سیرت نعمان(آگرہ: مطبع و سن اشاعت نامعلوم)

29 خاور حسین قادری، سیرت داتا گنج بخش(لاہور: مکتبہ سراج منیر، 2012ء)ص62 -63

30 سید فہیم کاظمی چشتی، سلطان الہند(لاہور: تہذیب انٹرنیشنل پبلیکشنز(س-ن)ص86 - 88

31 پروفیسر یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، علماء اکیڈیمی(لاہور: محکمہ اوقاف پنجاب، 1976ء)ص133- 135

32 نفس مصدر: 137

33 تاریخ تصوف: 139

34 ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں(لاہور: سنگ میل پبلیشرز، 2000ء)ص359- 360

35 Fatima Hussain,Sufism(Lahore: Unknown Publisher and Date) ppg: 146- 149

36 تاریخ تصوف :13

37 نفس مصدر: 9